The Bold Sketch Writer of Urdu:Dr.Anwar Ahmad

اُردو کا بے باک خاکہ نگار: ڈاکٹر انوار احمد

Muhammad Saleem Abbas*1
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.
Dr.Saeed Ahmad *2
Associate Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

*[1]محمد سلیم عباس
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
*[2] ڈاکٹر سعید احمد
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondance: drsaeedahmad@gcuf.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 26-02-2025
Accepted:27-03-2025
Online:28-03-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Sketching is an art by which a picture of a person is created in words. A talking picture that is like a real person with both good and bad sides. Dr. Anwar Ahmed has experimented with urdu criticism, research and fiction as well as sketching. In his sketches, very important information about the lives of his subjects is presented in a neat style and have immortalized these personalities forever. They say what they want to say openly and make the secret of their beloved's life adorn the papers.

KEYWORDS: Anwar Ahmad, Sketch writing, Urdu History, Genre, style, Research. analysis

انوار احمد اردو ادب میں ایک معتبر حوالہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے تحقیق، تنقید، افسانے اور خاکے بھی لکھے ہیں۔ ان کے خاکوں پر مشتمل ان کا اکلوتا مجموعہ ''یادگار زمانہ ہیں جو لوگ'' مثال پبلشرز، فیصل آباد نے ۲۰۰۸ء میں چھاپا۔ اس میں کل ۳۵ خاکے شامل ہیں۔ انوار احمد نے یہ تمام خاکے اپنے عزیز و اقارب دوستوں شاگردوں اور چاہنے والوں کے لکھے ہیں اور اپنے ممدوحین کو یادگار بنا دیا ہے۔

کتاب کے پہلے حصے میں ان کے اپنے پیاروں کے خاکے شامل ہیں۔ خاص کر والدین پر لکھے ہوئے خاکے ان کی والدین سے والہانہ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ والدین کے لیے بلاشبہ ہر شخص ایسی ہی عقیدت رکھتا ہے لیکن ان کے اپنے بھائیوں اور چچازاد بھائی پر لکھے خاکے بہت اہم ہیں۔ ان کے دو خاکے ''الن بھائی'' اور ''ابنِ بھائی'' میں جزیات نگاری کمال کی ہے۔ انوار احمد کا اندازِ بیان سادہ اور دل پذیر ہے۔ تحریر کی خوبی یہ ہے کہ پڑھنے والا اس میں ڈوب جاتا ہے اور اس منظر کا حصہ بن جاتا ہے۔

اس مجموعہ میں حسین بخش بیگم، خلیل صدیقی، عرش صدیقی، احمد بختیار اشرف، اصغر ندیم سید، ارشد ملتانی، حسن گردیزی، محسن نقوی، شمیم حیدر ترمذی، فخر بلوچ، فرمان فتح پوری، آسمان بیلن، احمد خان درانی، عبدلرؤف شیخ، صفدر امام، سلیم اختر، مہر گل محمد، ابن حنیف، افتخار حسین شاہ، شبیر حسن اختر، نصیرالدین صدیقی، ظفر اقبال فاروقی، کریم ملک، بے نظیر بھٹو، شائستہ جمال، غلام سرور، لطیف عارف، شاہ محمد مری، فتح محمد ملک، انور نسیم، مبارک احمد مجوکہ، نعیم چودھری، جیسی علمی و ادبی شخصیات کے خاکے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ چند دیگر لوگوں کے خاکے بھی شامل کیے گئے ہیں۔

خاکہ نگار کا فن کمال یہ ہے کہ وہ خاکہ کو کہانی کا روپ عطا کر کے دلچسپی کا عنصر پیدا کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے ممدوحین اور ان سے جڑے افراد کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ ممدوحین کے متعلق کم لکھا ہے لیکن اپنے ممدوحین کی نفسیات، خیالات، رویے، مرقع اور حالات کا گہرا جائزہ پیش کیا ہے۔ خاکہ نگار نے طنز و مزاح سے بھرپور اسلوب سے متعلقہ شخص کی شخصیت کے مبہم گوشوں کو عیاں کیا ہے۔ ان کے خاکوں میں ایمائیت اور پہلوداری بدرجہ اُتم موجود ہے۔ انھوں نے غیر جانب داری سے اپنے ممدوحین پر لکھا ہے۔ انھوں نے سخت لہجے کا استعمال کیا ہے لیکن قاری اُن کے اسلوب سے اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

خاکہ نگار نے ذہانت اور تخلیقیت کے امتزاج سے ممدوحین میں نئی روح پھونکی ہے۔ وہ طنز کا ہلکا سا استعمال کر کے زیرِ بحث شخص کی خامیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے ممدوح سے جڑے تمام تر افسانے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ متعلقہ عہد کے سیاسی و سماجی پہلوؤں کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ بدلتے رجحانات و تغیرات ان کے خاکوں میں جابجا ملتے

ہیں۔ بعض اوقات یوں گمان ہوتا ہے کہ خاکہ نگار نے اپنی دھرتی کے لوگوں کو ادبی دنیا کی فضا میں لا کھڑا کر دیا ہے۔ ان کا دل فریب اسلوب، جادوئی کیفیات سے بھرپور ہے جو قاری کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

انوار احمد کے خاکے حقیقی واقعات سے بھرپور ہیں۔ انھوں نے مبالغہ آرائی و آمیزی سے کام نہیں لیا بلکہ جو کچھ حقیقت میں دیکھا اُسے بیان کر دیا۔ انھوں نے اپنے ممدوحین کی خواہشات، سوچ، فکر اور لہجہ کو نئے انداز میں ڈھال کر بیان کیا۔ بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ خاکہ نگار نے گلشن میں کھلے پھول سے خوشبو ہی نہیں چرائی بلکہ پورا پھول ہی چرا لیا ہو۔ وہ حقیقی واقعات اور جنسی خواہشات سے بھرپور واقعات کو بیان کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ وہ رشتہ دار، دوست احباب یا شاگرد کی نفسیات کو بیان کرتے ہوئے جانب داری سے کام نہیں لیتے۔ بل کہ بڑے مفصل انداز میں واقعات بیان کرتے ہیں۔ ''حضرت جی۔۔۔ بنام حسین بخش'' خاکہ نگار کے نانا جی کا خاکہ ہے جس میں انھوں نے اپنے نانا جی کی زندگی کو بیان کیا ہے۔ اس خاکہ میں انھوں نے حقیقی واقعات کو پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اُن کے نانا جی بڑھاپے میں بھی جنسی خواہشات کی تسکین چاہتے تھے۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''جب وہ 78 سال کے تھے اور ہماری 60 سالہ نانی کینسر میں مبتلا ہو کر ہر روز موت کے سناٹے کی طرف بڑھ رہی تھیں ایک شام جب وہ ہمارے خیال میں نانی کی عیادت کر رہے تھے میری نانی نے زخمی پرندے کی طرح چلانا شروع کر دیا، عموماً وہ درد سے کراہا کرتی تھیں۔ ایسے موقع پر میرے ماموں انھیں مارفیا کا ٹیکہ لگایا کرتے تھے، مگر تب انھوں نے اونچی اونچی آواز میں کوسنے دینے شروع کیے تو میری بیوہ ماں نے جھلا کر کہا ''بابا ہن تاں میڈی مادی جان چھڑ دیو''۔''(1)

مندرجہ بالا اقتباس خاکہ نگار کی غیر جانب داری اور آزاد خیالی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ خاکہ نگار نے اپنے نانا سے متعلق وہ واقعہ بیان کیا ہے۔ جو عام لکھاری بیان نہیں کر سکتا۔ انھوں نے اپنے نانا جی کی جنسی جذبات کی تسکین کے لیے کی جانے والی حرکت کا واقعہ بڑے منفرد انداز میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں نانا جی سچ کہنے کے عادی تھے۔

پروفیسر خلیل صدیقی کے خاکہ میں انھوں نے اخلاقی اقدار، مکاشفوں اور رومانیت کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے خلیل صدیقی کی زندگی کے کئی گوشے عیاں کیے، خاکہ نگار نے لکھا ہے کہ خلیل صدیقی نے ہمیشہ طالب علموں سے محبت کی۔ اُن کو غریب لوگوں سے خاصی محبت تھی۔ وہ غریبوں کے مسائل، حق اور معاشی تنگ دستی سے خوب آگاہ تھے اور لوگوں کا درد سمجھتے تھے۔ خاکہ نگار نے روحانی واقعات بھی پیش کیے ہیں۔ ان کے خاکہ میں روحانیت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میں پاکیزہ قسم کے خواب نہیں دیکھتا اور نہ ہی رومانی مکاشفوں کا دعویٰ کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ البتہ ایک خواب ان کی وفات سے اگلی رات دیکھا، وہ صاف ستھرے سادہ لباس میں ملبوس ہیں، میں نے کہا صدیقی

صاحب آپ اللہ کے نیک لوگوں میں سے تھے۔ کئی نسلوں کی ذہنی آبیاری کی،
عمر بھر سچ کہا اور اس کے پرچار کی تلقین کی۔''(2)

فلسفیانہ خیالات اخلاقی اقدار اور رویوں کا خاکوں میں فقدان ہوتا ہے۔ خاکہ نگار نے اپنے خاکہ میں روحانیت سے بھرپور خواب اور واقعہ بیان کیا ہے۔ عرش صدیقی کے خاکہ میں انھوں نے ان کی شخصیت کی کئی پرتیں کھولی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عرش صدیقی مرنجاں معنی انسان نہیں تھے۔ وہ شعور رکھتے تھے اور بعض معاملات میں جذبات کا سہارا لے کر اپنی بات دوسروں تک پہنچا دیتے تھے۔ وہ محفل کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ یعنی وہ مجلسی آدمی تھے۔ وفا ان کی سرشت میں شامل تھی جس طرح ناخن کو گوشت سے جدا اور الگ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح محبت اور اُن کی وفاداری کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کو محبت سے لگاؤ تھا اور رفاقت کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے تھے۔ خوب صورتی، روشن خیالی اور شعور اُن کی ذات کا حصہ تھا۔ ان کو سائنسی شعور تھا اور اخلاقیات کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ خاکہ نگار نے اپنے ممدوح کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عرش صاحب کی ذات میں کئی خوبیاں تھیں، محنت، دیانت، ایثار، وسعت
قلبی اور روشن خیالی اور یہ اقدار کے طور پر ان کی شخصیت میں جلوہ ریز تھیں،
وہ اپنی دوستی کا برملا اظہار کرنے میں ایسے لمحوں میں بھی نہیں جھجھکتے تھے،
جب سماجی دباؤ (مصنوعی دلداری، کا تقاضا مصلحت کا راستہ یعنی سکوت سکھاتا
ہے) ایسے دو واقعے میرے سامنے ہوئے۔''(۳)

خاکہ نگار نے مجلسی زندگی، شاعروں اور ادبی محفلوں کا ذکر بھی اپنے خاکوں میں کیا۔ اس سے اُن کے گہرے مشاہدے اور مطالعہ کا اندازہ لگایا جا سکتا۔ مشاعروں سے تہذیب و تمدن اور ثقافت کا اندازہ باآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ خاکہ نگار نے اپنے ممدوحین کا تعارف بڑے سادہ انداز میں پیش کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے شخصی مرقعے اور مختصر تعارف من کو موہ لینے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ''ڈاکٹر اے بی اشرف کا خاکہ'' میں انھوں نے اُن کا مکمل تعارف اور شخصیت کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کا منفرد انداز اور اُسلوب قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ خاکہ نگار نے اپنے ممدوح اے بی اشرف کی سوانح اور سیرت و نفسیات اور قد و قامت کو بھی لفظی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

خاکہ نگار نے اُن کو خوش لباس اور ترکی سے محبت کرنے والا شخص کہا ہے۔ خاکہ نگار کے نزدیک وہ ترکی تھے لیکن ملتان میں پیدا ہوئے اور ترکی سے خصوصی محبت کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اے بی اشرف ملتان میں 1935ء کے فروری مہینے کے اسی دن پیدا
ہوئے جب غالب کی برسی تھی (15 فروری) سو وہ سدا کے ترک تھے اور
رہے مگر ملتان میں پیدا ہو گئے، دراز قد، خوش رو، روشن خیال، مہم جوئی کے
جویا، بہت چھوٹی عمر میں والدہ فوت ہو گئیں۔ بہن کوئی نہ تھی اس لیے

عورت ہمیشہ انھیں محبوب مرغوب رہی۔ان کے والد حسن بخش محنت کش اور ایثار پیشہ شخص تھے۔ وہ ابدال روڈ ملتان پر ایک نواب کے ہاں غالباً منشی قسم کے اہلِ کار تھے، جہاں سے ہی اشرف صاحب نے اس نواب کے کتوں کے راتب اور اپنے رنڈوے باپ کی طرف سے پکائی جانے والی روٹی کا فرق دیکھا تھا۔ یہاں انھوں نے موسیقی کے لیے کے آراستہ محفلوں کے مناظر بھی دیکھے۔''(4)

خاکہ نگار نے اپنے ممدوحین کی عادات اور نفسیات کے ساتھ ساتھ سیاسی و سماجی و سیاحتی اور سیاسی شعور کا ذکر بڑے مفصل انداز میں کیا ہے۔ خاکہ نگار نے اپنے ممدوحین کی ذہنی اپج، خیالات اور احساسات کو نئے انداز میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے اپنے ممدوحین کی نفسیات کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ جس طرح فلم کا کرداروں کے ذریعے کہانی کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح خاکہ نگار نے کہانی کو آگے بڑھایا۔ وہ اپنے ممدوحین سے متعلقہ واقعات کو یکجا کر کے پیش کرتے ہیں۔ بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ خاکہ نگار نے بہت سارے غیر ضروری واقعات کو کہانی کے انداز میں ڈھال کر خاکہ کا حصہ بنایا ہے۔ان کے خاکوں میں کہانی کا سا رنگ اور لب و لہجہ پایا جاتا ہے۔ یہی لب و لہجہ اور اندازِ تحریر قاری کی دلچسپی کا سبب بنتا ہے۔ خاکہ نگار نے اپنے ممدوحین کی مجلسی زندگی اور سیاسی سوچ اور فکر کو بھی پیش کیا ہے۔ ''ارشد ملتانی'' کے خاکہ میں انھوں نے ان کی شعری خصوصیات اور تصانیف کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی ذوق اور سیاسی افکار کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سیاسی اور سماجی موضوعات پر وہ بہت واضح نقطہ نظر رکھتے تھے اور اس کا بڑی جرات کے ساتھ اظہار کرتے تھے مگر حیران کن بات یہ ہے کہ ان کے مخالفین بھی ان کی ذہانت فکر کا احترام کرتے تھے۔ یہ ان کی شخصیت کا وہ وصف تھا جو بہت کم ادیبوں اور عالموں کو نصیب ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ضیاالحق کے زمانے میں ایک محفل میں نظریہ پاکستان جناح اور اقبال کے تصورات کی روشنی میں اس طرح زیر بحث تھا کہ اسٹیج کی زینت بنے۔ چھ سات افراد جن میں ارشد ملتانی تھے۔''(۵)

ڈاکٹر انور احمد کے خاکوں میں اُن کے ممدوحین کا عہد تہذیب و ثقافت اور تغیر و تبدل باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے محض شخصی خدوخال پر زور نہیں دیکھا بلکہ اپنے ممدوحین کی سیاسی و سماجی زندگی اور عادات و اطوار رویوں اور نفسیات کا گہرا جائزہ لیا ہے۔انھوں نے غیر جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سچی کہانی قاری کے سامنے پیش کی ہے۔

انوار احمد کا اسلوبِ تحریر بہت منفرد اور رواں ہے۔ قاری پڑھتے ہوئے بالکل اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ کہیں کہیں مقفیٰ نثر کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ڈاکٹر اے۔بی اشرف کے خاکے کا ایک اقتباس دیکھیے:

''زندگی میں جتنے لوگوں سے ملا اس میں بظاہر ہر نوع، ہر صنف، ہر عمر اور ہر رنگ کے لوگ شامل ہیں، ان میں کچھ لوگ کتابوں میں ملے، کچھ خوابوں میں اور باقی سب عرصہ محشر میں، جسے دنیا کہتے ہیں۔ان میں اشرف اکیلا ایسا شخص ہے جو نہایت آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس شخص کو ہی لوگوں نے سب سے کم سمجھا۔''(۶)

انوار احمد اپنے عہد کی سیاسی زندگی سے بھی ہمیشہ باخبر رہے اور کراچی شہر سے ان کی وابستگی ان کی تحاریر سے عیاں ہوتی ہے۔

ملتان شہر ادبی محفلوں کا مرکز تو نہیں تھا جس طرح لاہور کو پذیرائی ملی لیکن ملتان شہر میں ہونے والی ادبی محفلوں تقریبِ رونمائی یا مشاعرہ انوار احمد نے اس کا ذکر ضرور کیا ہے۔ڈاکٹر اے۔بی اشرف کے خاکے میں ڈاکٹر اجمل نیازی کے سفر نامے ''مندر میں محراب'' کی تقریبِ رونمائی کا دل چسپ واقع اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ایک وقت تھا جب ملتان کی کوئی ادبی تقریب ہوتی، کسی کتاب کی رونمائی ہوتی یا مصنف کی شام غریباں ہوتی اشرف صاحب کے ساتھ میرا نام بھی مقالہ نگاروں یا مقررین میں ہوتا۔ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا اہلِ ملتان نے ہم دونوں کو مولوی بنا دیا ہے۔(میت کے آگے دو مولوی اونچی آواز میں مقامی زبان میں بین پڑھتے جاتے ہیں) کہنے لگے اس سے پہلے کہ یہ پھبتی مشہور ہو جائے یا لوگ ہمیں منکر نکیر خیال کریں، کرنا یہ چاہیے کہ مجھے تو کتاب یا صاحبِ کتاب کی توصیف کرنے دو۔البتہ تم اپنے دل کی بات بر سرِ محفل کر لیا کرنا۔تو اس کا آغاز اجمل نیازی کے سفر نامے ''مندر میں محراب'' کی تقریبِ رونمائی سے ہوا۔''(۷)

اس کتاب میں انوار احمد اپنے دوستوں کی صفات اور خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی نجی زندگی کے کئی اہم راز قلم بند کرتے نظر آتے ہیں۔اپنے دوستوں کے بارے میں گفتگو کرنے کے حوالے سے وہ بے باک تھے اور تحریر میں بھی انھوں نے یہی رویہ اپنایا۔اپنے دوست اصغر ندیم سید کے حوالے سے وہ قاری کو بہت زیادہ معلومات دیتے ہیں اور ان کی ازدواجی زندگی کی بہت سی باتیں بھی بیان کر جاتے ہیں لیکن ایک پیرا گراف میں ان کی ادبی زندگی کے حوالے سے کچھ اس طرح کی رائے پیش کرتے ہیں:

''لاہور کے بعض دوست ہم ملتانیوں کو گھُنّے کہتے ہیں۔زخموں کا حساب رکھنے والے اور انتظار کرنے والے بھی گھُنّے ہوتے ہیں مگر نہیں! یہ واضح کر دوں کہ اصغر ندیم گھُنّا نہیں وہ جو کچھ خلوت میں ہے وہی جلوت میں، بلکہ وہ تو

محفل، مجلس اور رونق کی چاہ میں مگن رہتا ہے اس لیے تنہائی میں بھی تنہا نہیں ہوتا چنانچہ وہ کڑھنے، تلملانے، تلخیوں اور محرومیوں کا حساب کتاب رکھنے کا متحمل نہیں رہ سکتا۔ گردوپیش کو اپنی معصومانہ مسرت سے سنوارنے اور نکھارنے کے اضطراب میں اس نے ڈھیروں نظمیں لکھیں اور بے تحاشا محبت نامے، کالم، ریڈیو، ٹی وی، ڈرامے، مجلسی، سرکاری اور ثقافتی مضامین میں بھی۔''(۸)

بہ حیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں لکھے جانے والے خاکوں میں زیادہ تر سوانحی و تعارفی ہیں۔ لیکن بہت سارے خاکہ نگاروں نے اپنے ممدوحین کے شخصی مرقع اور قلمی تصویر پیش کی ہے۔ خاکہ نگاروں نے بدلتی تہذیب اور نئی ٹیکنالوجی کے اثرات کو بھی پیش کیا ہے۔ تہذیب و ثقافت کا عکس اور بدلتے رجحانات اور لوگوں کی نفسیات، سوچ، فکر، جذبات اور رویوں کا بھی گہرا جائزہ لیا گیا ہے۔ خاکہ نگاروں نے فلیش بیک کی تکنیک کے ساتھ ساتھ مکالماتی، خود کلامی اور بیانیہ تکنیک سے خاکوں میں تاریخی شعور پیش کیا ہے۔ بعض خاکوں میں کہانی والا رنگ موجود ہے۔ اسی عہد سے تعلق رکھنے والے خاکہ نگاروں کے ہاں طنز و مزاح اور مزاحیہ حلیہ نگاری بھی پائی جاتی ہے۔ خاکہ نگاروں نے صرف اپنے ممدوحین سے متعلق نہیں لکھا بلکہ ان سے متعلق دیگر اشخاص کو بھی زیرِ بحث لایا ہے۔ مختلف واقعات کے ذریعے ان مٹ نقوش کو ابھارا ہے۔

مختصر یہ کہ خاکہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں اپنے ممدوحین کی زندگی کے اہم واقعات بیان کر کے ان کی سوچ اور نفسیات سے آگاہ کیا ہے۔ بعض خاکہ نگاروں نے لفظی بازیگری سے ایسی قلمی تصویریں پیش کی ہیں کہ قاری زیرِ بحث شخصیت کو اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا، ہنستا مسکراتا اور سانس لیتا محسوس کرتا ہے۔ خاکہ نگاروں نے غیر جانب داری سے جو کچھ اپنے ممدوحین کے متعلق دیکھا اُسے بیان کر دیا ہے۔ اکیسویں صدی میں لکھے جانے والے یہ خاکے ادب کا بیش قیمتی خزانہ ہیں۔

حوالہ جات

1۔ انوار احمد، ڈاکٹر، یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2015ء، ص:13

2۔ ایضاً، ص:37

3۔ ایضاً، ص:39۔40

4۔ ایضاً، ص:47

5۔ ایضاً، ص:72

6۔ ایضاً، ص:49

7۔ ایضاً، ص:55

8۔ ایضاً، ص:64